ہوتا، دھمکیوں میں نہ آتا تو اس کی یہ حالت کیوں ہوتی۔ جالپا کے ساتھ وہ ساری مصیبتیں جھیل جاتا۔ اس محبت اور عقیدت کا خول پہن کر وہ مخالفوں کا کامیابی سے مقابلہ کرتا۔ اگر اسے پھانسی بھی ہو جاتی تو وہ ہنستے کھیلتے اس پر چڑھ جاتا۔

مگر پہلے اس سے چاہے جو غلطی ہوئی ہو، اس وقت تو وہ غلطی سے نہیں، جالپا کی خاطر سے یہ تکلیف جھیل رہا تھا۔ آخر پولیس والوں کے دل میں اپنا اعتبار پیدا کرنے کے لیے وہ اور کیا کرتا۔ یہ شیطان جالپا کو ستاتے۔ اس کو رسوا کرتے۔ اس پر جھوٹے مقدمے چلاتے۔ وہ حالت تو اور بھی ناقابل برداشت ہوتی۔ وہ خود پست ہمت ہے اور ذلت برداشت، جالپا شاید جان ہی دے دیتی۔

اسے آج معلوم ہوا کہ وہ جالپا کو ترک نہیں کر سکتا اور زہرہ کو ترک کرنا بھی اس کے لیے محال معلوم ہوتا تھا۔ کیا وہ دونوں کو خوش رکھ سکتا ہے۔ کیا ان حالات میں جالپا اس کے ساتھ رہنا قبول کرے گی۔ ہرگز نہیں۔ وہ شاید کبھی اسے معاف نہ کرے گی۔ جالپا کو اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ رما اس کی خاطر اذیتیں بھوگ رہا ہے تو بھی وہ اسے الزام سے سبکدوش نہ کرے گی۔

وہ دن بھر اسی ادھیڑ بن میں پڑا رہا۔ نہانے اور کھانے کا وقت ٹل گیا۔ اسے کسی بات کی پروا نہ تھی۔ اخبار سے دل بہلانا چاہا۔ ناول لے کر بیٹھا، مگر کسی کام میں کل نہ لگا۔ آج داروغہ جی بھی نہیں آئے۔ یا تو رات کے واقعہ سے ناراض ہو گئے یا نادم۔ رما نے کسی سے اس کے متعلق پوچھا بھی نہیں۔

رات کے دس بج گئے، مگر زہرہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ پھاٹک بند ہو گیا۔ رما کو اب اس کے آنے کی امید نہ رہی۔ پھر بھی دروازے کی طرف اس کے کان لگے ہوئے

تھے۔ کیا جالپا اسے ملی ہی نہیں۔ اس نے ارادہ کیا کہ اگر کل زہرہ نہ آئی تو کسی کو اس کے گھر بھیجے گا۔

علی الصبح وہ داروغہ کے پاس جا کر بولا: ''پرسوں رات تو آپ اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے۔''

داروغہ نے حسد کو چھپاتے ہوئے کہا: ''میں محض آپ کو چھیڑ رہا تھا۔''

رما: ''زہرہ رات کو آئی ہی نہیں۔ ذرا کسی کو بھیج کر پتا تو لگوایئے، ماجرا کیا ہے؟''

داروغہ نے بے اعتنائی سے کہا: ''اسے غرض ہوگی خود آئے گی۔ کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

رما نے پھر اصرار نہ کیا۔ سمجھ گیا یہ حضرت اس سے جلے ہوئے ہیں۔ اب اور کس سے پوچھے۔

کئی دن تک زہرہ سے اس کی ملاقات نہ ہوئی۔ اب اس کے آنے کی کوئی امید نہ تھی۔ رما نے سوچا زہرہ بے وفا نکلی یا ممکن ہے پولیس والوں نے اسے آنے کی ممانعت کر دی ہو۔ کم سے کم مجھے ایک خط تو لکھ سکتی تھی، مگر اس کا ضمیر کہتا تھا کہ زہرہ بے وفائی نہیں کر سکتی۔

آٹھواں دن تھا۔ آج ایک بہت اچھا فلم ہونے والا تھا۔ داروغہ نے رما سے کہا تو وہ چلنے کو تیار ہو گیا۔ کپڑے پہن رہا تھا کہ زہرہ آ پہنچی۔ رما نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ پھر آئینہ میں اپنے بال سنوارنے لگا، مگر اسے دیکھ کر تعجب ہوا کہ زہرہ محض ایک سفید ساڑھی پہنے ہوئے ہے۔ ایک بھی زیور اس کے جسم پر نہ تھا۔ ہونٹ

سوکھے ہوئے تھے اور چہرے پر معشوقانہ شوخی کی جگہ متانت جھلک رہی تھی۔

وہ ایک منٹ تک کھڑی رہی۔ تب رما کے پاس جا کر بولی: ''کیا مجھ سے ناراض ہو گئے حضور؟ اس لیے کہ میں اتنے دنوں آئی کیوں نہیں؟''

رما نے روکھے پن سے جواب دیا: ''اگر تم اب بھی نہ آتیں تو میرا کیا اختیار تھا؟''

زہرہ نے مسکرا کر کہا: ''یہ اچھی دل لگی ہے۔ آپ ہی نے تو ایک کام سونپا اور جب وہ کام کر کے لوٹی تو آپ بگڑ بیٹھے۔ وہ کام تم نے آسان سمجھا تھا کہ چٹکیوں میں پورا ہو جاتا۔ تم نے مجھے اس عورت کے پاس بھیجا تھا جو اوپر سے موم اور اندر سے پتھر۔ جو اتنی نازک ہو کر ابھی اتنی مضبوط ہے۔''

رما نے بے توجہی سے پوچھا: ''ہے کہاں، کیا کرتی ہے؟''

زہرہ: ''اسی ونیش کے گھر ہے جسے پھانسی کی سزا ہو گئی ہے۔ اس کے دو بچے ہیں۔ بیوی ہے اور ماں ہے۔ دن بھر انہی بچوں کو لیے رہتی ہے۔ بڑھیا کے لیے ندی سے پانی لاتی ہے۔ گھر کا سارا کام کاج کرتی ہے اور جب فرصت پاتی ہے تو ان کے لیے چندہ مانگنے نکل جاتی ہے۔ وہ خاندان بڑی تکلیف میں تھا۔ کوئی مددگار نہ تھا۔ دوست سبھی منہ پھیر بیٹھے تھے۔ کئی فاقے تک ہو چکے تھے۔ جالپا نے جا کر انہیں جلا لیا۔''

رما کی ساری بے دلی کافور ہو گئی۔ جوتے پہننا بھول گیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ تم کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔ شروع سے کہو۔ ایک بات بھی مت چھوڑنا۔ تم پہلے اس کے پاس کیسے پہنچیں....؟ کیسے پتا چلا؟''

زہرہ: ''کچھ نہیں، پہلے اس دیبی دین کے گھر کا پتا دیا۔ بس وہاں جا پہنچی۔''

رما: ''تم نے اسے جا کر پکارا۔ تمہیں دیکھ کر کچھ جھجکتی تو ضرور ہو گی؟''

زہرہ مسکرا کر بولی: ''میں اس شکل میں نہ تھی۔ دیبی دین کے گھر سے نکل کر میں اپنے گھر گئی اور برہم سماج عورت کا سوانگ بھرا۔ نہ جانے مجھ میں ایسی کون سی بات ہے، جس سے دوسرے فوراً بھانپ جاتے ہیں کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور براہموں لیڈیوں کو دیکھتی ہوں۔ کوئی ان کی طرف آنکھیں نہیں اٹھاتا۔ میرا لباس وہی ہے۔ میں بھڑکیلے کپڑے اور زیور بالکل نہیں پہنتی۔ پھر بھی سب لوگ میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں۔ میری اصلیت نہیں چھپتی۔ مجھے یہی خوف تھا کہ کہیں جالپا بھانپ نہ جائے۔ نیا سوانگ بھر کر میں وہاں پہنچی تو وہ کیا کوئی بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ میں نے ونیش کے گھر جا کر اس کی ماں سے بات چیت شروع کی۔ اپنا گھر منگیر بتلایا۔ بچوں کے لیے مٹھائی لیتی گئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ جو پارٹ میں کھیلنے گئی تھی، وہ میں نے کامیابی کے ساتھ کھیلا۔

دونوں عورتیں رونے لگیں۔ اسی اثنا میں جالپا بھی گنگا جل لیے آ پہنچی۔ میں نے ونیش کی ماں سے بنگلہ میں پوچھا: ''یہ کون ہے؟''

اس نے کہا یہ بھی تمہاری ہی طرح ہم لوگوں کے غم میں شریک ہونے کے لیے آ گئی ہے۔ یہاں اس کا شوہر کسی دفتر میں نوکر ہے۔ روز سویرے آ جاتی ہے اور بچوں کو کھانے لے جاتی ہے۔ میرے لیے روز ندی سے گنگا جل لاتی ہے۔ ہمارے کوئی آگے پیچھے نہ تھا۔ بچے دانے دانے کو ترستے تھے۔ جب سے یہ آ گئی ہے، ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ہم نے نہ جانے کون سی تپسیا کی تھی جس کا یہ

بردان ہمیں ملا ہے۔ اس گھر کے سامنے ہی ایک چھوٹا سا باغ ہے۔ محلے بھر کے بچے وہیں کھیلا کرتے ہیں۔

شام ہوگئی تھی جالپا دیوی نے دونوں بچوں کو ساتھ لیا اور پارک کی طرف چلیں۔ میں جو مٹھائی لے گئی تھی، اس میں سے بڑھیا نے ایک ایک مٹھائی دونوں بچوں کو دی۔ دونوں خوش ہو کر ناچنے لگے۔ بچوں کی اس خوشی پر مجھے رونا آ گیا۔

جب پارک میں دونوں بچے کھیلنے لگے تو جالپا سے میری باتیں ہونے لگیں۔''

رما نے کرسی اور قریب کھینچ لی اور آگے کو جھک گیا۔ بولا: ''کس طرح بات چیت شروع کی؟''

زہرہ: ''کہہ رہی ہوں میں نے پوچھا جالپا دیوی گھر کی دونوں عورتوں سے تمہاری تعریف سن کر میں تمہارے اوپر عاشق ہوگئی ہوں۔''

رما: ''بالکل یہی الفاظ تھے؟''

زہرہ: ''بالکل یہی۔''

''میری طرف تعجب سے دیکھ کر بولیں: ''بنگالن نہیں معلوم ہوتیں۔ اتنی صاف ہندی کوئی بنگالن نہیں بولتی۔''

میں نے کہا: ''میں منگیر کی رہنے والی ہوں اور یہاں مسلمان عورتوں سے میری بہت آمد و رفت ہے۔ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ کہاں رہتی ہیں؟ کبھی کبھی دو گھڑی کے لیے چلی آؤں گی۔ تمہاری محبت میں شاید میں بھی آدمی بن جاؤں۔

جالپا نے شرما کر کہا: ''تم تو مجھے بنانے لگیں۔ بہن کہاں تم کالج کے پڑھنے

والی، کہاں میں جاہل گنوار عورت۔ تم سے مل کر میں البتہ آدمی بن جاؤں گی۔ جب جی چاہے، یہیں چلی آنا، یہیں میرا گھر سمجھو۔''

میں نے کہا: ''تمہارے شوہر بہت شریف معلوم ہوتے ہیں کہ تمہیں آزادی دے رکھی ہے۔ کس دفتر میں ہیں؟''

جالپا نے اپنے ناخنوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ''پولیس میں امیدوار ہیں۔''

میں نے تعجب سے پوچھا: ''پولیس میں رہتے ہوئے بھی انہوں نے تمہیں یہاں آنے کی آزادی دے دی؟''

جالپا اس سوال کے لیے تیار نہ تھی۔ کچھ چونک کر بولی: ''وہ مجھ سے کچھ نہیں کہتے۔ میں نے ان سے یہاں آنے کا کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔ وہ گھر بہت کم آتے ہیں۔ وہیں پولیس والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔''

میں نے پوچھا: ''تم اپنے شوہر کے ذریعے سے میری ملاقات اس مخبر سے کرا سکتی ہو جس نے ان بے گناہوں کے خلاف شہادت دی؟''

رمانا تھ کی آنکھیں فرط اشتیاق سے پھیل گئیں اور چھاتی دھک دھک کرنے لگی۔ زہرہ نے پھر اپنا قصہ کہنا شروع کیا۔

یہ سن کر جالپا دیوی نے مجھے تیز نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا: ''اس سے مل کر کیا کرو گی؟''

میں نے کہا: ''میں اس بھلے آدمی سے صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ تم نے اتنے بے گناہوں کو پھنسا کر کیا پایا۔ صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کیا جواب دیتا

ہے۔''

جالپا کا چہرہ یکا یک سرخ ہو گیا۔ بولیں: ''وہ کہہ سکتا ہے میرا فائدہ اسی میں تھا۔ ساری دنیا اپنے فائدے کے لیے مرتی ہے۔ میں نے بھی اپنا فائدہ اس میں سوچا۔ جب پولیس کے صدہا آدمیوں سے یہ سوال کوئی نہیں کرتا تو اسی غریب سے یہ سوال کیوں کیا جائے؟''

میں نے پوچھا: ''اچھا ذرا دیر کے لیے فرض کر لو، تمہارا شوہر ہی مخبر ہوتا تو تم کیا کرتیں؟''

جالپا نے میری طرف سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھ کر کہا: ''تم مجھ سے یہ سوال کیوں کرتی ہو؟ خود اپنے دل میں اس کا جواب کیوں نہیں ڈھونڈتیں؟''

میں نے کہا: ''میں تو ان سے کبھی نہ بولتی۔ نہ کبھی ان کی صورت دیکھتی۔''

جالپا نے دور نگے پن سے جواب دیا: ''شاید میں بھی ایسا ہی سمجھتی یا ممکن ہے نہ سمجھتی۔ کچھ کہہ نہیں سکتی۔ آخر پولیس والوں کے گھروں میں بھی تو عورتیں ہیں۔ وہ کیوں اپنے شوہروں سے کچھ نہیں کہتیں۔ جس طرح ان کے دل اپنے مردوں کے لیے ہو گئے ہیں، ممکن ہے میرا دل بھی ویسا ہی ہو جاتا۔''

اتنے میں اندھیرا ہو گیا۔ جالپا دیوی نے کہا: ''اب مجھے دیر ہو رہی ہے بہن! بچے ساتھ ہیں۔ ممکن ہو تو کل پھر ملیے گا۔ آپ کی باتیں نہایت دلچسپ ہوتی ہیں۔''

میں چلنے لگی تو انہوں نے چلتے چلتے مجھ سے کہا: ''ضرور آئیے گا۔ میں یہیں ملوں گی۔ آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔ ہاں میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں؟

''

میں نے اپنا نام بتلا دیا۔

رما نے کہا: ''یہ تم نے بڑا غضب کیا۔''

زہرہ بولی: ''نام بتلانے میں کیا ہرج تھا۔ پہلے تو وہ چونکیں، مگر شاید سمجھ گئیں۔ بنگالی مسلمان ہو گی۔ جب وہ چلنے لگیں۔ تو میں نے کہا: آپ سے باتیں کر کے ابھی سیری نہیں ہوئی۔ اگر کوئی ہرج نہ سمجھو۔ تو میں بھی تمہارے گھر تک چلوں۔ راستہ میں باتیں ہوں گی۔ جالپا راضی ہو گئیں۔ ہم دونوں چلے۔ اس ذرا سے کنگھرے میں نہ جانے وہ کیونکر رہتی ہیں۔ تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہے۔ کہیں مٹکے ہیں، کہیں کھاٹ، کہیں صندوق، نمی سے دیواریں تر ہو رہی تھیں اور تعفن کے مارے ناک پھٹ جاتی تھی۔ کھانا تیار ہو گیا تھا۔ دنیش کی بیوی برتن دھو رہی تھی۔ جالپا دیوی نے اسے اٹھا کر کہا۔ بچوں کو کھلا کر سلا دو۔ میں برتن دھوئے دیتی ہوں۔ ان کی اس بے نفسی کا میرے دل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ میں بھی وہیں بیٹھ گئی اور مانجھے ہوئے برتنوں کو دھونے لگی۔

جالپا نے میرے ہاتھوں سے برتن چھین لینا چاہے، لیکن جب میں اپنی جگہ سے نہ ہٹی تو انہوں نے پانی کا مٹکا الگ ہٹا کر کہا: میں پانی نہ دوں گی۔ تم یہاں سے اٹھ جاؤ۔ مجھے بڑی شرم آتی ہے۔ تمہیں میری قسم ہٹ جاؤ۔ تم نے اپنی زندگی میں ایسا کام کاہے کو کیا ہوگا۔

میں نے کہا: تم نے بھی تو نہیں کیا ہوگا؟

جالپا نے کہا: میری اور بات ہے۔

میں نے پوچھا: کیوں، جو بات تمہارے لیے ہے وہی بات میرے لیے ہے۔کوئی مہری کیوں نہیں رکھ لیتی۔

جالپا نے کہا: مہریاں آٹھ آٹھ روپے مانگتی ہیں۔

میں بولی: میں آٹھ روپے مہینہ دے دیا کروں گی۔

جالپا نے ایسی نگاہوں سے میری طرف دیکھا، جس میں سچی محبت کے ساتھ سچی خوشی اور دعائے خیر بھری ہوئی تھی۔کتنی پاکیزہ نگاہ ہے اس کی۔اس بے غرض خدمت کے سامنے مجھے اپنی زندگی کتنی حقیر، کتنی قابل نفرت معلوم ہو رہی تھی۔ان برتنوں کو دھونے میں مجھے جو لطف آیا، اسے بیان نہیں کر سکتی۔برتن دھونے کے بعد جالپا دیوی بڑھیا کے پاؤں دبانے بیٹھ گئیں۔میں کھڑی یہ پاک نظارہ دیکھ رہی تھی۔

نو بجے ہم دونوں وہاں سے چلے۔راستے میں جالپا نے کہا: زہرہ تم سمجھتی ہو گی میں ان لوگوں کی یہ خدمت کر رہی ہوں۔یہ بات نہیں ہے۔میں دراصل اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہی ہوں۔مجھ سے زیادہ بدنصیب عورت دنیا میں نہ ہو گی۔

میں نے انجان بن کر کہا: اس کا مطلب میں نہیں سمجھی۔

جالپا نے پرحسرت لہجے میں کہا: کبھی موقع آئے گا تو بتا دوں گی۔

میں نے کہا: تم مجھے چکر میں ڈالے دیتی ہو بہن۔جب تک اس کا مطلب نہ سمجھا دو گی، میں تمہارا گلا نہ چھوڑوں گی۔

جالپا نے لمبی سانس کھینچ کر کہا: زہرہ! کسی بات کو خود چھپائے رہنا اس سے

زیادہ آسان ہے کہ دوسروں پر وہ بوجھ رکھوں۔

کچھ دور تک ہم دونوں خاموش چلتے رہے۔ یکا یک جالپا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: زہرہ اگر اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں کون ہوں تو شاید تم نفرت سے منہ پھیر لوگی اور میرے سائے سے دور بھاگو گی۔

ان الفاظ میں خدا جانے کیا جادو تھا کہ میرے سارے روئیں کھڑے ہو گئے۔ یہ ایک رنج اور شرم سے بھرے ہوئے دل کی نورانی صدا تھی، جس نے میرے سیاہ کارناموں کو واضح کر دیا۔ میرے جی میں ایسا آیا کہ اپنا سارا سوانگ کھول دوں۔ میں نے بڑے بڑے گرگ باراں دیدہ اور چھپے ہوئے شہدوں اور پولیس افسروں کو چپڑ غٹو بنایا ہے، مگر جالپا دیوی کے سامنے میرے منہ سے آواز تک نہ نکلتی تھی۔ معلوم نہیں کس طرح میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ بولی:

یہ تمہارا خیال غلط ہے دیوی جی۔ شاید تب میں تمہارے پیروں پر گر پڑوں گی۔ اپنی یا اپنوں کی برائیوں پر شرمندہ ہونا پاک نفسوں ہی کا کام ہے۔

جالپا نے کہا: تو کلیجہ مضبوط کر کے سن لو، میں اس مخبر کی بدنصیب بیوی ہوں۔ جس نے ان بے گناہوں پر یہ آفت ڈھائی ہے۔ ہم لوگ الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ ایک ایسا واقعہ ہوا کہ انہیں وہاں سے بھاگنا پڑا۔

رما نے کہا: ''اس کا تو قصہ ہے کبھی تم سے بتاؤں گا۔''

زہرہ بولی: یہ سب مجھے دوسرے دن معلوم ہو گیا۔ اب میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ جالپا نے اپنی کوئی بات شاید ہی مجھ سے چھپائی ہو۔ کہنے لگی:

زہرہ میں بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں۔ ایک طرف تو ایک آدمی کی جان اور

کئی خاندانوں کی تباہی ہے۔ دوسری طرف اپنی ذلت اور رسوائی ہے۔ میں چاہوں تو آج ان سبھوں کی جان بچا سکتی ہوں۔ میں عدالت کو ایسا ثبوت دے سکتی ہوں کہ مخبر کی شہادت کی کوئی وقعت ہی نہ رہ جائے گی۔ بس اسی دبدھے میں پڑی اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں۔ نہ تو یہی ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کو مرنے دوں اور نہ یہی ہوسکتا ہے کہ رما کو آگ میں جھونک دوں۔ میں خود مر جاؤں گی، پر انہیں ایذا نہیں پہنچا سکتی۔ ابھی دیکھ رہی ہوں ہائی کورٹ سے کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ نہیں کہہ سکتی، اس وقت میں کیا کر بیٹھوں۔ شاید اسی دن زہر کھا کر سو رہوں۔

دیبی دین کا گھر آ گیا۔ ہم دونوں رخصت ہوئے۔ جالپا نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ کل کسی وقت پھر آنا۔ انہیں صرف شام کو باتیں کرنے کی فرصت ملتی ہے۔ وہ اتنے روپے جمع کر دینا چاہتی ہیں کہ کم سے کم وٹیش کے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ایک ہزار سے زیادہ جمع کر چکی ہیں۔ میں نے بھی پچیس روپے ان کی نذر کیے۔ میں نے دو ایک بار کنایتاً کہا کہ آپ اس زحمت میں نہ پڑیں، لیکن جب جب میں نے اس کا اشارہ کیا، انہوں نے ایسا منہ بنایا گویا اب وہ یہ بات سننا بھی نہیں چاہتیں۔"

ذرا دم لے کر زہرہ نے پھر کہا: "میں نے ایک بات سوچی ہے۔ کہو تو بتاؤں؟"

رما نے اس طرح سے کہا: "گویا اس کا دھیان کہیں اور ہے۔ کیا بات ہے؟"

زہرہ: "انسپکٹر صاحب سے کہہ دوں۔ وہ جالپا کو الہ آباد پہنچا دیں۔ بس عورتیں سٹیشن تک انہی باتوں میں لگا لے جائیں۔ جوں ہی گاڑی چلے، انہیں اس میں

بٹھا دیں۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر مجھے نظر نہیں آتی۔''

رما نے زہرہ کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کہا: ''کیا یہ مناسب ہوگا؟''

زہرہ شرمندہ ہو کر بولی: ''اور کیا کیا جائے؟''

رما نے چٹ پٹ جوتے پہن لیے اور زہرہ سے پوچھا: ''اس وقت وہ دیبی دین کے ہی گھر پر ہوں گی؟''

زہرہ نے اس کا راستہ روک کر کہا: ''تو کیا اسی وقت جاؤ گے؟''

رما: ''ہاں زہرہ! اسی وقت جاؤں گا۔ بس ان سے دو باتیں کر کے وہیں جاؤں گا..... جہاں مجھے اب سے بہت پہلے جانا چاہیے تھا۔''

زہرہ: ''مگر کچھ سوچ تو لو۔ نتیجہ کیا ہوگا؟''

رما: ''خوب سوچ چکا۔ زیادہ سے زیادہ دروغ بیانی کے جرم میں تین چار سال قید۔ بس اب رخصت! بھول مت جانا زہرہ! شاید پھر کبھی ملاقات ہو۔''

رما برآمدے سے اتر کر صحن میں آیا اور ایک لمحہ میں پھاٹک کے باہر تھا۔ زہرہ بے حس و حرکت کھڑی اسے حسرت بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ رما پر اس کا دل کبھی اتنا فریفتہ نہ ہوا تھا جیسے کوئی ناگن اپنے محبوب کو میدان کارزار کی طرف جاتے دیکھ کر غرور سے پھولی نہ سماتی ہو۔

چوکیدار نے لپک کر داروغہ سے یہ خبر کہی۔ بیچارے کھانا کھا کر لیٹے ہی تھے۔ گھبرا کر نکلے اور رما کے پیچھے دوڑے۔ بابو صاحب ذرا سنیے تو۔ ایک منٹ رک جائیے۔ اس سے کیا فائدہ۔ کچھ معلوم تو ہو آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آخر بے چارے ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ رما نے لوٹ کر انہیں اٹھایا اور پوچھا: ''کہیں چوٹ تو

نہیں آئی؟''

داروغہ: ''نہیں ذرا ٹھوکر کھا گیا تھا۔ آخر آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔ سوچیے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟''

رما نے داروغہ کو چکمہ دیتے ہوئے کہا: ''جالپا کو شاید مخالفوں نے پٹی پڑھائی ہے کہ تو ہائی کورٹ میں ایک درخواست دے دے۔ ذرا اسے جا کر سمجھاؤں گا۔''

داروغہ نے پوچھا: ''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

''زہرہ کہیں سے سن آئی ہے۔''

''تمہاری بیوی ہو کر تمہارے ساتھ اتنا دغا۔ ایسی عورت کا سر کاٹ لینا چاہیے۔''

''اسی لیے تو جا رہا ہوں یا تو اسی وقت اسے سٹیشن پر بھیج کر آؤں گا یا اس سے بری طرح پیش آؤں گا کہ وہ بھی یاد کرے گی۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔''

''جی نہیں، بالکل معاملہ بگڑ جائے گا۔''

داروغہ لاجواب ہو گیا۔ ایک منٹ تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر لوٹ پڑا۔ ادھر رما نے ایک تانگہ لیا اور دیبی دین کے گھر جا پہنچا۔

تھوڑی دیر قبل جالپا ونیش کے گھر سے پہنچی تھی کہ اتنے میں رما نے نیچے سے آواز دی۔ دیبی دین نے کہا: ''بھیا ہیں شاید؟''

جالپا: ''کہہ دو یہاں کیا کرنے آئے ہیں، وہیں جائیں۔''

دیبی: ''نہیں نہیں، ذرا پوچھ تو لوں کیا کہتے ہیں۔ اتنی رات گئے انہیں چھٹی

کیسے ہلی؟''

جالپا: ''مجھے سمجھانے آئے ہوں گے اور کیا لیکن منہ دھور کھیں۔''

دیبی دین نے دروازہ کھول دیا۔ رما نے اندر آ کر کہا: ''دادا تم مجھے یہاں دیکھ کر اس وقت تعجب کر رہے ہو گے۔ ایک گھنٹے کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔ تم لوگوں سے اپنے بہت سے گناہوں کو معاف کرانا تھا۔ جالپا اوپر ہیں؟''

دیبی دین: ''ہاں ہیں تو۔ ابھی آئی ہیں۔ بیٹھو، کچھ کھانے کو لاؤں؟''

رما: ''نہیں میں کھانا کھا چکا ہوں۔ بس جالپا سے دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

دیبی: ''جب وہ تم سے ملیں بھی۔''

رما: ''کیا میری صورت سے اتنی نفرت ہے۔ ذرا پوچھ تو لو۔''

دیبی: ''اس میں پوچھنا کیا ہے۔ دونوں بیٹھی تو ہیں۔ تمہارا گھر جیسے تب، ویسے اب ہے۔''

رما: ''نہیں دادا، ان سے پوچھ لو۔ میں یوں نہ جاؤں گا۔''

دیبی دین نے اوپر جا کر کہا: ''تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں بہو۔''

جالپا نے منہ لٹکا کر کہا: ''تو کہتے کیوں نہیں۔ کیا میں نے ان کی زبان بند کر دی ہے؟''

جالپا نے یہ الفاظ اتنے زور سے کہے کہ نیچے رما نے بھی سن لیے۔ کتنے دل آزار الفاظ تھے۔

رما کا سارا شوق ملاقات غائب ہو گیا۔ نیچے ہی کھڑے کھڑے بولا: ''وہ اگر مجھ سے نہیں بولنا چاہتیں تو کوئی زبردستی نہیں ہے۔ میں اس وقت جج صاحب کے

پاس جا رہا ہوں۔ ان سے سارا قصہ کہوں گا۔ میری عقل پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جالپا کی محبت اور تکلیفوں کے خوف نے میری عقل میں فتور ڈال دیا تھا۔ جیسے کوئی نحوست سر پر سوار تھی۔ تم لوگوں کی دعاؤں نے وہ نحوست دور کر دی۔ شاید دو چار سال کے لیے سرکار کی مہمانی قبول کرنی پڑے، جیتا رہا تو پھر ملاقات ہوگی۔ نہیں تو میری برائیوں کو معاف کرنا اور بھول جانا۔ تم بھی دادا اور اماں تم بھی، میرے قصوروں کو معاف کرنا۔ تم لوگوں نے میرے ساتھ جو احسانات کیے ہیں، اگر جیتا لوٹا تو شاید تم لوگوں کی کوئی خدمت کر سکوں۔ میری تو زندگی خراب ہوگئی۔ نہ دین کا ہوا نہ دنیا کا۔ جالپا دیوی سے یہ بھی کہہ دینا کہ میں نے ہی ان کے زیور چرائے تھے۔ صراف کو دینے کے لیے روپوں کی ضرورت تھی۔ اس لیے مجھ کو یہ فعل کرنا پڑا۔ بس یہی کہنے آیا تھا۔''

رما برآمدے کے نیچے اتر پڑا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا چل دیا۔ جالپا بھی نیچے اتری لیکن رما کا پتا نہ تھا۔ برآمدے کے نیچے اتر کر دیبی دین سے پوچھا: ''کدھر گئے ہیں دادا؟''

دیبی دین نے کہا: ''میں نے کچھ نہیں دیکھا ہے۔ بہو میری آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ اب نہ ملیں گے، دوڑ گئے ہیں۔''

جالپا کئی منٹ تک سڑک پر بے خودی کی سی حالت میں کھڑی رہی۔ انہیں کیسے روک لے۔ اس وقت وہ کتنے مایوس ہیں۔ وہ پچھتا رہی تھی کہ انہیں ذرا دیر کے لیے اوپر کیوں نہیں بلایا۔ آئندہ کا حال کون جانتا ہے۔ نہ جانے کب ملاقات ہو یا نہ ہو۔ شادی ہونے کے اس دو ڈھائی سال کے اندر کبھی اس کا دل محبت سے

اتنا بے تاب نہ ہوا تھا۔ نمودو آسائش کے جنون میں اس نے خانہ محبت کی دیواروں کو ہی دیکھا تھا۔ وہ اسی میں خوش تھی۔ رفیق حیات بن کر اس نے خانہ محبت کے اندر قدم رکھا تھا۔ کتنا دلفریب نظارہ تھا۔ کتنی دل آویز نکہت جہاں کی ہوا میں، روشنی میں اور فضا میں تقدس کی جھلک تھی۔ محبت اپنی معراج پر پہنچ کر پرستش بن جاتی ہے۔

اتنے میں زہرہ آ گئی۔ جالپا کو سڑک پر دیکھ کر بولی: ''یہاں کیسے کھڑی ہو جالپا؟ آج تو میں نہ آ سکی۔ چلو آج مجھے تم سے بہت کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

(49)

داروغہ کو بھلا کہاں چین۔ رما کے جانے کے بعد ایک گھنٹہ تک اس کا انتظار کرتے رہے۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوئے اور دیبی دین کے گھر جا پہنچے۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ رما کو یہاں سے گئے آدھے گھنٹے سے اوپر ہو گیا۔ انہیں اعتبار نہ آیا۔ پہلے نیچے کی کوٹھڑی دیکھی۔ پھر اوپر چڑھ گئے۔ سمجھا رما وہاں چھپا بیٹھا ہوگا۔ وہاں تین عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ زہرہ کو شرارت سوجھی تو اس نے لمبا سا گھونگھٹ نکال لیا اور اپنے ہاتھ ساڑھی میں چھپا لیے۔ داروغہ کو شک ہوا۔ شاید رما بھیس بدلے ہوئے بیٹھا ہے۔ دیبی دین سے پوچھا: ''یہ تیسری عورت کون ہے؟''

دیبی دین نے کہا: ''میں نہیں جانتا۔ کبھی کبھی بہو سے ملنے آ جاتی ہیں۔''

داروغہ: ''مجھ سے اڑتے ہو بچہ۔ ساڑھی پہنا کر ملزم کو چھپانا چاہتے ہو۔ جالپا

دیوی سے کہہ دو نیچے چلی جائیں، اس گھونگھٹ والی عورت کو یہیں رہنے دو۔''

جالپا چلی گئی تو داروغہ نے زہرہ کے پاس جا کر کہا: ''کیوں حضرت مجھ سے یہ چالیں۔ وہاں سے کیا کہہ کر آئے تھے اور یہاں مزے میں ہی آ گئے۔ اب یہ بھیس اتاریئے اور میرے ساتھ چلیے دیر ہو رہی ہے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے زہرہ کا گھونگھٹ اٹھا دیا۔ زہرہ نے قہقہہ مارا۔ داروغہ جی گویا پھسل کر حیرت کے گڑھے میں گر پڑے: ''ارے زہرہ تم یہاں کہاں؟''

زہرہ نے کہا: ''اپنی ڈیوٹی بجا رہی ہوں۔''

''اور رمانا تھ کہاں گئے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہوگا؟''

''وہ تو میرے یہاں آنے سے پہلے ہی چلے گئے تھے۔''

''اچھا ذرا میرے ساتھ آؤ۔ اس کا پتا لگانا ہے۔''

''کیا ابھی تک بنگلے پر نہیں پہنچے؟''

''وہ، نہ جانے کہاں گئے۔''

زہرہ داروغہ جی کے ساتھ چلی تو انہوں نے راستے میں پوچھا: ''جالپا کب تک یہاں سے جائے گی؟''

زہرہ: ''میں نے خوب پٹی پڑھائی ہے۔ اب اس کی یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں۔ رمانا تھ نے بری طرح ڈانٹا ہے۔''

''تمہیں یقین ہے، اب یہ کوئی شرارت نہ کرے گی؟''

''ہاں میرا تو یہی خیال ہے۔''

''تو پھر یہ حضرت کہاں چلے گئے؟''

''کہہ نہیں سکتی، پیئے ہوئے تھے۔''

''تو کہیں گرا پڑا ہوگا۔ اس نے بہت دق کیا ہے۔ میں ذرا ڈپٹی صاحب کے پاس جاتا ہوں۔ آؤ تمہیں تمہارے گھر تک پہنچادوں۔''

''بڑی عنایت ہوگی۔''

ذرا دیر میں زہرہ کا مکان آ گیا۔ وہ اتر کر زینے کی طرف چلی، مگر اتنی دیر میں داروغہ جی بھی مزے میں آ گئے۔ بولے: ''اب تو جانے کو جی نہیں چاہتا۔ زہرہ چلو کچھ گپ شپ ہو۔ میں بھی آتا ہوں۔''

زہرہ نے زینے کے اوپر قدم رکھا اور کہا: ''جا کر پہلے ڈپٹی صاحب کو اطلاع دیجیے۔ یہ گپ شپ کا موقع نہیں ہے۔''

داروغہ نے موٹر سے اتر کر کہا: ''نہیں اب نہ جاؤں گا۔ زہرہ! صبح دیکھی جائے گی۔''

زہرہ نے اوپر چڑھ کر دروازہ بند کرلیا اور اوپر جا کر کھڑکی سے سر نکال کر بولی: ''آداب عرض۔''

(50)

داروغہ جی مجبور ہو کر گھر جا کر لیٹ رہے۔ نیند کھلی تو آٹھ بج رہے تھے۔ اٹھ کر بیٹھے ہی تھے کہ ٹیلی فون پر پکار ہوئی۔ ڈپٹی صاحب پوچھ رہے تھے ''رمانا تھ رات کو بنگلے پر تھا یا نہیں؟''

داروغہ کے ہوش اڑ گئے۔ بولے ''نہیں۔ مجھ سے بہانہ کر کے اپنی بیوی کے پاس چلا گیا تھا۔''

ڈپٹی صاحب نے غصے سے کہا: ''تم نے اسے کیوں جانے دیا۔ تم سے اس کا جواب طلب ہوگا۔ اس نے جج سے سب حال کہہ دیا۔ مقدمہ کی جانچ پھر سے ہو گی۔ آپ سے بڑا بھاری بلنڈر ہوا ہے۔ سارا محنت پانی میں گر گیا۔''

''تو کیا وہ رات کو جج صاحب کے پاس چلا گیا؟''

ڈپٹی: ''ہاں وہیں گیا تھا۔ جج صاحب پھر سے مقدمہ کی پیشی کرے گا۔ یہ سب آپ کا نگلنگ ہے۔ زہرہ نے بھی دغا دیا۔ اب رماناتھ کا سب سامان کمشنر صاحب کے پاس بھیج دو۔ وہ کسی دوسری جگہ ٹھہرایا جائے گا۔''

داروغہ جی اس وقت رماناتھ کا سب سامان لے کر پولیس کمشنر کے بنگلے کی طرف چلے۔ رما پر ایسا غصہ آ رہا تھا کہ پائیں تو کچا نگل جائیں۔ کم بخت کی کتنی خوشامدیں، کتنی ناز برداری کی، مگر دغا دے ہی گیا۔ اس میں زہرہ کی بھی سازش ہے۔ آج ہی بیگم صاحب کی بھی خبر لیتا ہوں اور دیبی دین سے بھی سمجھوں گا۔

ایک ہفتہ بھر پولیس کے حکام میں ہلچل رہی۔ اس کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رات کی رات اور دن کے دن اسی فکر میں چکر کھاتے رہے۔ مقدمہ سے کہیں زیادہ اپنی فکر تھی۔ سب سے زیادہ تشویش داروغہ صاحب کو تھی، انہیں اپنے بچنے کی امید نظر نہیں آتی۔ ڈپٹی اور انسپکٹر نے ساری بلا اس کے سر ڈال دی تھی اور خود بالکل الگ ہو گئے تھے۔

سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی۔ اس مقدمہ کی دوبارہ پیشی ہو گی۔ انگریزی

انصاف کی تاریخ میں یہ عدیم المثال واقعہ تھا۔ وکیلوں میں اس پر قانونی مباحثے ہوتے۔ جج صاحب کو اس کا مجاز ہے بھی یا نہیں، لیکن جج اپنے ارادے پر مستقل تھا۔ پولیس والوں نے بڑے بڑے زور لگائے۔ پولیس کمشنر نے یہاں تک کہا کہ اس سے سارا محکمہ بدنام ہو جائے گا، لیکن جج نے کسی کی نہ سنی۔ جھوٹی شہادتوں پر پندرہ آدمیوں کی زندگی برباد کرنے کی ذمہ داری لیتے ہوئے اسے روحانی تکلیف ہوتی تھی۔ اس نے ہائی کورٹ اور گورنمنٹ دونوں ہی کو اس کی اطلاع دے دی تھی۔

ادھر پولیس والے رما کی تلاش میں رات دن سرگرداں رہتے تھے، لیکن رمانہ جانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ پر قیاس آرائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک اخبار کے ایڈیٹر نے جالپا سے ملاقات کی اور اس کا بیان شائع کرا دیا۔ دوسرے اخبار نے زہرہ کا بیان چھاپ دیا۔ ان دونوں بیانات نے پولیس کے اخبار ادھیڑ دیئے۔ زہرہ نے صاف کہہ دیا کہ مجھے صرف اس لیے پچاس روپے روز دیئے جاتے تھے کہ رما ناتھ کو بہلاتی رہوں اور اسے کچھ سوچنے یا کرنے کا موقع نہ ملے۔ پولیس والوں نے یہ بیان پڑھا تو دانت پیس لیے۔

آخر دو مہینے کے بعد فیصلہ ہوا۔ اس مقدمہ کی سماعت کے لیے ایک سو لیین تعینات کیا گیا۔ پھر پیشیاں ہونے لگیں۔ پولیس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ملزموں میں کوئی مخبر بن جائے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ داروغہ چاہتے تو نئی شہادتیں بنا سکتے تھے، لیکن افسروں کی خودغرضی سے وہ اتنے کبیدہ خاطر ہوئے کہ دور سے تماشہ دیکھنے کے سوا اور کچھ نہ کیا۔ جب ساری نیک نامی افسروں کو ملتی ہے اور سار